بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

اس اشاعت میں ہمارے مضمون "حقوق الزوجین" کا سلسلہ ختم ہو رہا ہے۔ اس مضمون کو عنقریب ایک رسالہ کی شکل میں شائع کیا جائیگا، اور ہندوستان کے علماء، مدیران جرائد، ارکان مجالس تشریعی اور دوسرے اہل الرائے حضرات کے پاس بھیج کر ان سے استدعا کی جائے گی کہ جن امور کی طرف اس مضمون میں توجہ دلائی گئی ہے ان پر غور و خوض کر کے اپنی رائے کا اظہار کریں۔ اس وقت حسن اتفاق سے مسلمانوں کو اپنی سوسائٹی کے مفاسد میں سے ایک مفسدہ کی طرف توجہ ہو گئی ہے، اور وہ اصلاح حال کے لیے سعی کرنے پر مائل نظر آتے ہیں۔ یہ ایسا موقع ہے جس سے فائدہ اٹھا کر کم از کم ایک خرابی کا تو پورا پورا استیصال کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس وقت ایک ناقص تدبیر پر کامیاب ہو کر ہمارے ارباب حل و عقد مطمئن ہو گئے، تو پھر برسوں کے لیے ان کا جوش عمل سرد ہو جائے گا، اور امید نہیں کہ کم از کم اس قرن میں اصلاح کا کوئی دوسرا موقع بہم پہنچ سکے۔ مسلمانان ہند کی نیند اور بیداری کا جو حال ہم مدتوں سے دیکھ رہے ہیں، اس سے ہم کو یہی سبق ملتا ہے کہ ان کی بیداری دو طویل خوابوں کے درمیان محض ایک کروٹ کی حد تک ہوا کرتی ہے۔ اگر کسی کو کچھ کام کرنا ہو تو بس اسی کروٹ کے دوران میں کر لے۔ جس نے اس تھوڑے سے وقت کو کھو دیا، کچھ عجب نہیں کہ اسے پھر صور اسرافیل ہی کا انتظار کرنا پڑے۔

ہم کو اس مجلس مشاورت کے فیصلے کا انتظار تھا جو مراد آباد میں جمعیت علماء ہند کی جانب سے منعقد کی جانے والی تھی۔ اب اس کا نتیجہ بھی شائع ہو گیا۔ مسلسل اور پیہم سعی اور دو روزہ غور و خوض کے بعد علماء ہند کی مرکزی جمعیت نے بہت سے اکابر اہل علم و اہل رائے کی مدد سے جو مسودۂ قانون مرتب کیا ہے اس کا خلاصہ بس اتنا ہے کہ مسلمان عورتوں کو چند مسائل میں فقہ مالکی کے مطابق فسخ نکاح کا دعویٰ کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

اور بعض دوسرے مسائل میں فقہ حنفی کے مطابق فیصلہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ دو تین صدیوں کے مسلسل اخلاقی، دینی اور تمدنی انحطاط، اور ایک غیر مسلم حکومت کے استیلاء کی بدولت اسلامی تمدن و تہذیب کے ضعف اور اسلامی نظام تعلیم و تربیت کے اضمحلال اور اسلامی قوانین کے عدم انفاذ سے جو خرابیاں ہماری معاشرت میں پیدا ہو گئی ہیں، ان کی کماحقہ تحقیق و تفتیش کرنے اور موجودہ حالات میں قانون سازی کے جو محدود ذرائع ہم کو حاصل ہیں ان سے تا بحد امکان فائدہ اٹھا کر اصلاح احوال کی تدبیریں معلوم کرنے کے لیے اگر صرف "دو روزہ غور و خوض" ہی کو کافی سمجھا جاتا ہے، اور اسی کا نام "مسلسل پیہم سعی" ہے تو سمجھنا چاہیے کہ ہمارے ارباب حل و عقد کے ذہن میں سرے سے ان ذمہ داریوں کا ہی کوئی صحیح تصور موجود نہیں ہے جو اولی الامر ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔

جمعیت کے مسودہ میں تجویز کیا گیا ہے کہ حسب ذیل مسائل کا فیصلہ فقہ مالکی کے مطابق کیا جائے۔

(۱) شوہر کا مفقود الخبر ہونا۔

(۲) اس کا جنون یا جذام یا برص میں مبتلا ہونا جب کہ یہ امراض سخت قسم کے ہوں۔

(۳) اس کا نفقہ نہ دینا یا دینے پر قادر نہ ہونا۔

(۴) اس کا ناقابل برداشت ظلم کرنا۔

(۵) اس کی مفقود الخبری یا طویل قید یا تعنت کی وجہ سے عورت کی عصمت خطرے میں ہونا۔

ان مختصر دفعات میں فقہ مالکی کے احکام کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عدالتوں کے پاس مالکی فقہ کی تفصیلات معلوم کرنے کا کیا ذریعہ ہے؟ مسلمان حکام میں سے کتنے ایسے ہیں جو مالکی مذہب کے مبسوطات پر نظر رکھتے ہیں یا ان کو پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں؟ وکلا جن کا کام فریقین کے مقدمہ کو قانونی صورت میں پیش کرنا ہے اور جن میں ہندو، مسلمان، پارسی، عیسائی سب شامل ہیں، مالکیہ کے احکام معلوم کرنے کا کونسا ذریعہ رکھتے ہیں؟ ان سب کو چھوڑیے، ہندوستان کے علماء میں سے کتنے ایسے ملیں گے جن کو مذہب مالکی کے جزئیات پر عبور حاصل ہے؟ ایسی صورت میں

کیا اس مختصر دفعہ کا نتیجہ یہ نہ ہوگا کہ احکام سے ناواقفیت اور ان کی غلط تعبیرات، اور غلط نظائر سے پھر ایک غلط قانون بن جائیگا اور پھر ساٹھ ستر سال کے تلخ تجربات کے بعد ایک دوسرا مسودۂ قانون مرتب کرنے کی ضرورت محسوس کی جائیگی؟

اختصار پسندی کی انتہا یہ ہے کہ "طویل قید" کو بنائے فسخ نکاح قرار دیا جاتا ہے، مگر اس کی تشریح نہیں کی جاتی کہ طویل قید سے مراد کیا ہے؟ حبس دوام یا دس سال یا پانچ سال یا کچھ اور؟ خود مالکی مذہب کے احکام میں بھی اس کی کوئی تشریح ہماری نظر سے نہیں گذری، بلکہ مالکی مذہب میں تو سرے سے "طویل قید" کو وجہ فسخ ہی قرار نہیں دیا گیا ہے۔ اگر وجہ فسخ محض عصمت کا خطرے میں ہونا قرار دیا جائے تو ایک عورت چھ مہینے یا تین مہینے کی قید پر یہ دعوی کرسکتی ہے کہ میری عصمت خطرے میں ہے، لہٰذا نکاح فسخ کیا جائے؟

نمبر ۴ میں "ناقابل برداشت ظلم" کے الفاظ بالکل مبہم ہیں اور ان کی کوئی تشریح نہیں کی گئی ہے۔ شوہر کی بعض عادات ایسی ہوتی ہیں جو عورت کے لیے ناقابل برداشت روحانی عذاب بن جاتی ہیں مثلاً کثرت شراب نوشی، قمار بازی، زناکاری وغیرہ۔ یہ چیزیں عام اصطلاح کی رو سے "ظلم" کی تعریف میں نہیں آتیں اس لیے ان کی تصریح اس دفعہ میں ہونی چاہیے تھی یا ان کو ایک الگ دفعہ میں داخل کرنا چاہیے تھا۔ قدیم فقہ میں ان کو موجبات تفریق میں اس لیے شمار نہیں کیا گیا تھا کہ یہ اسلامی تعزیرات کی رو سے جرائم مستلزم سزا تھے، مگر آج کل کی تعزیرات میں ان افعال کی روک تھام کے لیے کوئی انتظام نہیں ہے اور ان کا شیوع عام ہے، اس لیے ان کو موجبات تفریق میں داخل ہونا چاہیے۔

خطرناک امراض میں سے صرف جذام، برص اور جنون کو لیا گیا ہے اور ان کے سوا دوسرے تمام خطرناک امراض کو چھوڑ دیا گیا ہے، حالانکہ وہ نفرت انگیز اور ضرر رساں ہونے میں کسی طرح ان تینوں بیماریوں سے کم نہیں ہیں۔ اس کی وجہ اگر محض یہ ہے کہ فقہ مالکی میں دوسرے امراض کی تصریح نہیں ہے تو ہم اس کو تقلید جامد کہیں گے، اس کا نام تفقہ نہیں ہے۔ اگر یہ تینوں امراض بذات خود وجہ فسخ ہیں تو اس کے لیے کوئی نص قطعی ہونی چاہیے، اور اگر ان کے وجہ فسخ ہونے کی علت موجب ضرر شدید ہونا ہے، تو جن جن امراض میں یہ علت پائی جائے ان سب کو اس فہرست میں شامل ہونا چاہیے۔ آخر دق، سل، آتشک، سوزاک، دمہ، ہپنس، ابنہ، عذیوط اور بعض دوسرے امراض کس حیثیت سے جذام اور

برص کے مقابلہ میں کم خطرناک اور موجب اذیت روحانی وجسمانی ہونے میں کم تر سمجھے جا سکتے ہیں ۹
حسب ذیل مسائل کے متعلق تجویز کیا گیا ہے کہ ان کا فیصلہ فقہ حنفی کے مطابق کیا جائے۔

(۱) خیار بلوغ۔

(۲) نکاح فاسد منعقد ہونا یا بعد میں کسی وجہ سے فاسد ہو جانا۔

(۳) شوہر کا عنین یا مجبوب ہونا۔

(۴) کوئی اور وجہ جو بروئے فقہ حنفی فسخ نکاح کے لیئے کافی ہو۔

ان دفعات کے اختصار کو دیکھ کر اور بھی زیادہ حیرت ہوتی ہے۔ ایک جدید مسودہ قانون مرتب کرنے کی ضرورت ہی اس وجہ سے پیش آئی تھی کہ انگریزی عدالتوں میں جو محمڈن لا رائج ہے اس میں مفسدات نکاح اور وجوہ فسخ نکاح کی پوری اور صحیح تفصیل موجود نہیں ہے ایسی حالت میں فقرہ نمبر (۲) اور فقرہ نمبر (۴) سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟ نتیجہ پھر بھی وہی ہوگا کہ محمڈن لا کی کتابوں اور عدالتہائے عالیہ کے فیصلوں کی طرف رجوع کیا جائیگا اور وکلا اپنے اپنے منشاء کے مطابق حضرات علماء سے بالکل متضاد فتوے حاصل کر کے عدالتوں میں قانون اسلام کا مذاق اڑواتے رہیں گے۔

اس مسودے کی ترتیب میں جو روش اختیار کی گئی ہے اس کو دیکھ کر شبہہ ہوتا ہے کہ ہمارے علماء دین کو یا تو ان ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے جو مسلمانوں کے اولی الامر ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی ہیں، یا وہ ان کو جاننے کے باوجود انہیں ادا کرنے سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔ جیسا کہ ہم بار بار کہہ چکے ہیں اولی الامر کا کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ فقہ کی قدیم کتابوں سے جزئیات نقل کر دیا کریں، بلکہ ان کا اصلی کام یہ ہے کہ شریعت کے اصول کو سمجھ کر اور احکام خدا و رسول کے مقاصد و مصالح پر نظر رکھ کر اپنے زمانے کی ضرورتوں کے مطابق پچھلے قوانین میں ترمیم و اصلاح کرتے رہیں، اور جب ضرورت ہو نئے قوانین بھی وضع کریں۔ سوسائٹی کی حالت ہر زمانے میں یکساں نہیں رہتی۔ اخلاقی، دینی، اجتماعی، معاشی اور سیاسی حالات میں ہمیشہ تغیر واقع ہوتا رہتا ہے اور

ان تغیرات سے نئی نئی قانونی ضرورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، اگر قانون تغیرات کے ساتھ ساتھ حرکت نہ کرے اور نئی پیدا ہونے والی ضرورتوں کو پورا نہ کر سکے، تو بہت جلدی وہ زائد المیعاد ہو جائیگا۔ اسی غرض کے لیے شارع نے اولی الامر کو قانون سازی کے اختیارات دیے ہیں تاکہ زمانے کے متغیر حالات میں اسلامی جماعت کو اصول شریعت کا پابند رکھنے اور ان کی اجتماعی و انفرادی زندگی کو مقاصد شریعت کے مطابق منظم کرنے کے لیے جیسے جیسے قوانین کی ضرورت ہو، ان کو خود باہمی مشورے سے وضع کرتے رہیں۔ ابتدائے اسلام کے اولی الامر نے ان اختیارات سے فائدہ اٹھایا اور اپنے زمانے میں جن قوانین کی ضرورت محسوس کی، ان کو اپنے اجتہاد سے کام لے کر وضع کیا۔ وہ اس کے لیے مکلف نہ تھے اور نہ ان کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ تھا کہ ہزار برس بعد ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہو گی، اور اسلامی تہذیب کا سارا نظام مضمحل ہو جانے اور ایک نئے تمدن کے پھیل جانے سے مسلم سوسائٹی کی کیا حالت ہو گی اور اس حالت میں مقاصد شریعت کے مطابق مسلمانوں کے معاملات کی تنظیم اور ان کے دین و اخلاق کی حفاظت کیلئے کن قانونی تدابیر کی ضرورت ہو گی۔ ایسے حالات کے لیے قوانین بنانا ان کا کام نہ تھا نہ وہ بنا سکتے تھے۔ یہ کام اس زمانے کے اولی الامر کا ہے اور انہی پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر اس وقت ناکافی قوانین کی وجہ سے مسلمانوں کے معاملات خراب ہوں اور ان میں اخلاقی مفاسد پھیلیں اور ان کے درمیان ظلم و جور کی اشاعت ہو تو اس پر بارہ سو برس پہلے کے اولی الامر عند اللہ جوابدہ نہ ہونگے، بلکہ اسی زمانے کے اولی الامر ہونگے

قوانین فقہی میں اصلاح و ترمیم اور جدید قانون سازی کی ضرورت اتنی بیّن ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک دو سو برس پہلے تک جو تمدنی حالت دنیا میں تھی اس میں ایک مفقود الخبر شخص کی جستجو کرنا بہت مشکل تھا اور برس دو برس کی تلاش بھی کافی نہ تھی۔ مگر آج ریل، تار، اخبارات اور بین الاقوامی تعلقات کی آسانیوں نے حالات بالکل بدل دیے ہیں۔ اب چند ہفتوں میں اس امر کا ظن غالب حاصل ہو سکتا ہے کہ مفقود یا تو مر گیا ہے یا شرارت سے اس نے اپنی شخصیت کو قصداً چھپا دیا ہے۔

تمدنی ترقی کا ایک اور [illegible] الاسلام کے احکام [illegible] کیے گئے ہیں اگر آج

اس پرانی بین الاقوامی تقسیم کے مطابق قانون نافذ کیا جائے تو مسلمانوں کو سخت دقتیں پیش آئیں گی۔ لامحالہ ہم کو مفقود الخبر کی حد تک قانون کی تعبیر اس طرح کرنی پڑے گی کہ ہر وہ شخص مفقود دار الاسلام کے حکم میں ہے جو ہندیہ دنیا میں کہیں ہو، خواہ وہ امریکہ، جاپان اور جرمنی میں ہو، یا ٹرکی، مصر اور عراق میں۔

فقہائے متقدمین نے لعان سے انکار کرنے والے مرد کے لیے حد قذف یا حبس کی سزا تجویز کی تھی اسی طرح لعان سے انکار کرنے والی عورت کے لیے وہ حد زنا یا حبس تجویز کرتے تھے۔ مگر آج ہندوستان میں یہ ممکن نہیں لامحالہ ہم کو فریقین کے حقوق کی حفاظت کے لیے دوسری قانونی تدبیریں تجویز کرنی پڑینگی جنکو موجودہ حالات میں روبعمل لایا جاسکتا ہو۔

قدیم زمانے میں عام طور پر مسلم سوسائٹی اور خصوصاً مسلمان عورتوں کا معیار اخلاق بہت بلند تھا۔ اسلامی تعلیمات ان کے رگ و پے میں راسخ تھیں۔ اسلامی حکومت موجود تھی۔ اسلام کے تعزیری اور اصلاحی قوانین نافذ تھے۔ اخلاق عامہ کی حفاظت کے لیے سخت انتظامات تھے۔ اُس زمانے کے فقہاء ان حالات کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے جو اس وقت ہندوستان میں انگریزی حکومت، مغربی تمدن، غیر مسلم اکثریت، جدید علوم اور ادبیات کی اشاعت اور طریق تربیت کی خرابیوں سے پیدا ہوگئے ہیں۔ اُنہوں نے فسخ و تفریق کے لیے جو قوانین بنائے تھے وہ اُس زمانہ کی اجتماعی حالت کے لیے مناسب ہو سکتے تھے مگر آج مسلمانوں کی معاشرت کو مقاصد شریعت کے مطابق پاکیزگی کے کم سے کم معیار پر قائم رکھنے کے لیے بھی وہ قوانین کافی نہیں ہیں۔ اس زمانے کے اولی الامر کا فرض یہ ہے کہ وہ اس وقت کی مسلم سوسائٹی کے حالات کو دیکھیں جو خرابیاں عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں انکے اسباب کی تحقیق کریں، اور ان کی اصلاح کے لیے ایسی قانونی تدبیریں اختیار کریں جو موجودہ طرز حکومت کے ماتحت اختیار کی جاسکتی ہیں۔ ان حالات کیلیے جزئی قوانین وضع کرنا ۱۲ سو برس پہلے کے فقہاء کا فرض نہ تھا، وہ غیب دان نہ تھے کہ ان پر قیامت تک کے تغیرات احوال روشن ہوتے، نہ وہ خداوند علیم و حکیم کی سی بصیرت رکھتے تھے کہ قرآنی احکام کی طرح جامع احکام وضع کر سکتے۔ اگر اس زمانے کے ہندوستانی اولی الامر صرف اُنہی جزئیات پر انحصار کریں گے جو ہزار بارہ سو برس پہلے کے فقہاء وضع کر گئے ہیں تو وہ اپنے فرض سے ہرگز سبکدوش نہ ہو سکیں گے۔

عموماً ہمارے علماء اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ خدا و رسول کے احکام اور ائمہ مجتہدین کے اجتہادات میں فرق نہیں کرتے

وہ ان دونوں کے مجموعے کا نام "شریعت" رکھتے ہیں، اور اس مجموعی "شریعت" کو دائمی، اور ناقابل بحث و تنقید اور ناقابل حذف و اضافہ قرار دیتے ہیں۔ جہاں کسی نے فقہی مسائل پر تنقید کی یا ان میں حذف و اضافہ کی ضرورت ظاہر کی، اور انہوں نے یہ کہہ کر اس کا منہ بند کر دیا کہ "شریعت" ایک دائمی قانون ہے، اس میں قیامت تک ترمیم ہو سکتی ہے، نہ کوئی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ دراصل شریعت کا اطلاق صرف قرآن مجید کے احکام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل پر ہوتا ہے۔ یہی چیز دائمی ہے اور بلا شبہہ اس میں ترمیم و اصلاح کی قیامت تک ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ الٰہی علم و بصیرت پر مبنی ہے اور زمان و مکان کے جملہ تغیرات میں یکساں قابل عمل ہے۔ لیکن اس شریعت کے اصول سے جو اجتہادی احکام ائمہ سلف نے مستنبط کیے ہیں وہ "شریعت" نہیں ہیں، بلکہ اصطلاحی زبان میں "قوانین" ہیں۔ ان کے متعلق یہ گمان کرنا ہرگز درست نہیں کہ وہ بھی شریعت کی طرح دائمی اور ناقابل حذف و اضافہ ہیں۔ یہ گمان کرنے کے لیے کوئی بنیاد اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ معاذ اللہ ائمہ مجتہدین کو علم کے اعتبار سے خدا یا رسول خدا کا ہم پلہ سمجھا جائے، اور جب یہ غلط ہے تو ان کے وضع کیے ہوئے قوانین کو تنقید سے بالاتر قرار دینا اور ان پر اضافہ کو غیر ممکن سمجھنا بھی غلط ہے۔

علمائے کرام سو برس سے اسی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ تغیر پذیر زمانے کی ہر ضرورت کے موقع پر جب کبھی مسلمانوں نے اجتہادی احکام میں ترمیم و اضافہ کی درخواست کی، علماء نے ان کو یہی کہہ کر خاموش کر دیا کہ یہ اللہ کی دائمی شریعت ہے۔ اول اول مسلمان "شریعت" کا نام سن کر دم بخود ہو گئے، مگر تلخ حقائق کی یہ وسیع دنیا جو حجروں اور خانقاہوں کے باہر آباد ہے اپنے نت نئے مطالبات سے کب تک باز رہ سکتی تھی؟ رفتہ رفتہ مسلمانوں میں یہ غلط خیال پیدا ہو گیا کہ وہ قانون جو اپنی نمایاں کوتاہیوں کے باوجود اپنے نمائندوں کی زبان سے غیر تغیر پذیر ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے، اسی کا نام شریعت ہے۔ چنانچہ وہ پوری شریعت کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکنے پر آمادہ ہو گئے، کیونکہ احکام خدا و رسول اور اجتہادات ائمہ کے درمیان اصولی فرق و امتیاز سے وہ بیگانہ تھے، اور علماء نے ان کو اور بھی زیادہ بیگانہ کر دیا تھا۔ ٹرکی میں یہ ہو چکا ہے۔ ایران میں ہو رہا ہے۔ افغانستان بھی عنقریب اسی راستہ پر جاتا نظر آتا ہے۔ اب اگر ہماری قومی کشتی کے کھیون ہاروں کا یہی حال ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں تو ہندوستان کا بھی خدا ہی حافظ ہے۔